

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

پریچیت

زاریہ فاطمہ

ابر رحمت



از قلم زاریہ فاطمہ

All Rights Reserved

Copyright: Zariya Fatima (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

khanumaira@safareadab.com

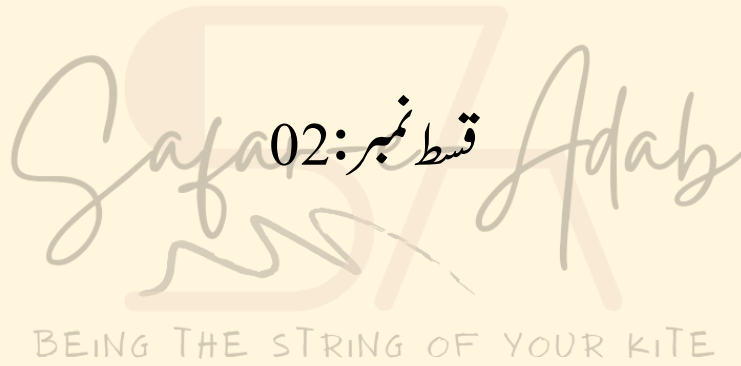
adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

ابر رحمت کے تمام جملہ حقوق لکھاری "زار یہ فاطمہ" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔





7 ماہ بعد

ستمبر کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا ایک طرف جہاں ماحول میں خنکی بڑھ رہی تھی وہیں درختوں کے زرد پتے سڑکوں پر جگہ جگہ گرے ماحول کو خوبناک بنائے ہوئے تھے۔ خزاں کا موسم اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا ایسے میں المیرہاؤس کا منظر دیکھیں تو دونوں لائونج میں صوفوں پر براجمان تھے سامنے دیوار پر لگی ایل ای ڈی میں نیوز رپورٹر کے بار بار ایک ہی خبر دہرانے کی آواز گونج رہی تھی۔

”جی ہاں ناظرین آپ کو بتاتے چلیں لاہور شاپنگ مال سے غائب ہونے والے 16 سالہ بالاج کی لاش آج پولیس نے برآمد کر لی ہے، نوجوان کے بارے میں 4 روز قبل بتایا گیا تھا کہ اسے شاپنگ مال سے یرغمال بنایا گیا ہے!“

نیوز رپورٹر مزید کہہ رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”سولہ سالہ بالاج جو کہ 4 روز پہلے شاپنگ مال سے اچانک غائب ہو گیا تھا اس کے بارے میں ہم آپ کو اپڈیٹ کر رہے ہیں کہ آج پولیس کو بچے کی بری طرح سے مسخ شدہ لاش ایک گودام سے برآمد ہوئی ہے۔ ورثہ کا کہنا ہے کہ ان کا بچہ چار روز قبل شاپنگ مال سے اغواء ہوا تھا۔ جبکہ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اغواء کاروں کی طرف سے کسی قسم کی رقم کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔“ کچھ دیر کا وقفہ لے کر اس نے خبروں کا سلسلہ دوبارہ جوڑا

”مزید جانتے ہیں ہمارے نمائندے احسان دانش سے جو اس وقت کرائم سین پر موجود ہیں۔ جی احسان بتائیے گا۔“

اب کے نمائندے نے اپنی بات کا آغاز کیا

”اللہ کا غضب ہو ان ظالموں پر سولہ سال کے بچے پر ان کو رحم نہ آیا ہو گا! خدا کا قہر نازل ہو ان درندوں پر“ شہر بانو بیگم ٹی وی کا ولیم دھیمہ کرتی ہوئی بولیں

پاس بیٹھی ابر نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور ان سے متفق ہوتے سر ہلایا پھر دوبارہ سے نیوز دیکھنے میں مشغول ہو گئی۔ شہر بانو بیگم اب وہاں سے اٹھ چکی تھیں۔ (ایسی خبریں ہمیشہ ان کا دل دہلادیا کرتی تھیں کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک وکیل کی ماں ہیں۔)

”یہ اسود کہاں ہے امی؟ جب سے گھر آئی ہوں مجھے نظر نہیں آیا!“ ابر نے نظریں ٹی وی سکرین پر جمائے کچن کی طرف بڑھتی شہر بانو سے سوال کیا

”وہ سائرہ کے ساتھ باہر لان میں ہو گا سارا سارا دن گھر میں قید رہے گا تو یوں اس کی نشوونما متاثر ہوگی اسی لیے سائرہ سے کہا تھا کہ موسم اچھا ہے اسے زرا باہر لے کر جائے۔“ انہوں نے مڑ کر اسکی جانب دیکھتے کہا

”چلیں میں دیکھتی ہوں اسے آپ کر لیں جو کام آپ کرنے جارہی تھیں۔“ وہ شہر بانو سے کہتی صوفے سے اٹھی نیچے پڑی چپل پاؤں میں اڑی اور اب اس کا رخ لان کی طرف تھا۔

وہ اس وقت ہلکے بھورے اور سفید رنگ کے امتزاج والی لمبی شرٹ کے ساتھ سفید ٹراؤزر پہنے ہوئے تھی، شہر رنگ بالوں کا جوڑا بنایا گیا تھا جس میں سامنے سے نکلی کچھ لٹیں چہرے پر جھول رہی تھیں۔

لان میں داخل ہوتے ہی سرد ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا چہرے پر آئی لٹیں ہوا کے دوش پر لہرائیں

وہ غضب ناک تاثرات لئے سامنے لان میں گھاس پر چٹائی بچھا کر بیٹھی سائرہ کی طرف بڑھی جو اسود کو ساتھ لئے بیٹھی تھی۔

”سائرہ! دیکھ رہی ہو یہاں کتنی سرد ہوا چل رہی ہے پھر بھی کب سے اسے یہاں لئے بیٹھی ہو۔“ وہ ایک جست میں سائرہ تک پہنچی اور اب اسکے سر پر کھڑی اسے لتاڑ رہی تھی، سائرہ اس کی آواز پر کرنٹ کھا کر اٹھی

”ابرجی وہ بڑی بیگم نے کہا تھا کہ اسود کو باہر لے جا کر کھلاؤ، میں تو بس!“ سائرہ منمائی پر وہ جانتی تھی کہ اب اتنی آسانی سے اس کی جان خلاصی نہیں ہونے والی۔

”ہاں تو بڑی بیگم نے یہ تھوڑی کہا تھا کہ اب چاہے آندھی آئے یا طوفان تمہیں اسے لے کر باہر ہی بیٹھنا ہے۔“ لہجے میں ذرا سختی تھی جبکہ اسود اپنے بازو ابر کی طرف پھلائے سائرہ کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”باجی میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ میں آگے سے خیال رکھوں گی۔“ سائرہ نے شر مندہ سے لہجے میں سر جھکایا

”لاؤ ادھر مجھے دو اسے اور آئندہ خیال رہے اسود بدلتے موسم میں بہت جلدی بیمار ہو جاتا ہے۔ تم اندر کچن میں جا کر ماں کی مدد کرو۔“ اسود کو اس سے لیتی ابر نے یاد دہانی کروائی

”جی باجی میں دیکھتی ہوں۔“ سائرہ سر ہلاتی جلدی سے اندر کی جانب بڑھ گئی جبکہ ابر اسود کو بازوؤں میں اٹھائے وہیں کھڑی تھی کہ دفعتاً اس کا موبائل بجایا

”ضامنہ کالنگ! موبائل کی سکرین جگمگائی“

کال اٹھا کر فون کان سے لگاتے اس نے قدم اندر کی طرف بڑھائے۔ کندھے سے لگا اسود اس کے پاس آتے ہی پر جوش انداز میں آوازیں نکالنے لگا

”کہاں مصروف ہو بھئی! کتنے دنوں سے نہ کوئی چکر نہ کوئی کال نہ میسج“ مقابل نے چھوٹے ہی شکوہ کیا

”مجھے کہاں جانا ہے بس کورٹ کیس کے سلسلے میں زر اوقت نہیں ملاور نہ ضرور ملنے آتی بس آج لاسٹ ہیرنگ تھی اب تو شاید کچھ دن کا بریک لوں۔“ وہ فون کان سے لگائے لان کی طرف کھلتا گلاس ڈور بند کرتی اندر داخل ہوئی۔ اسود ابر کے چہرے پر آئی لٹوں کو اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھا اور وہ اس کی گرفت سے اپنے بال چھڑوانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

”کیا بنا پھر کیس کا؟ وہ ایم پی اے کے بیٹے کا کیس تھا نا؟ ویسے کوئی فائدہ تو نہیں جتنے اس کمبخت کے باپ کے اثرورسوخ ہیں کسی نگڑی ضمانت سے پھر رہا ہو جائے گا۔“ مقابل کے لہجے میں مایوسی در آئی

”کیا لگتا ہے کیا بنا ہو گا؟ وہ کچھ لمحے رکے اور پھر بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا

”اس کا باپ کتنے ہی اثرورسوخ کیوں نہ رکھتا ہوں میں نے بھی ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہن رکھیں بہت پکا کام کیا ہے اس بار کم سے کم بھی چار پانچ سال تک اسے کوئی جیل سے آزاد نہیں کروا سکتا! اس کا باپ بھی نہیں۔“ ابر اپنے بال چھڑواتی اب اسود کو گھوریوں سے نواز رہی تھی جو اس کے تاثرات پر کھکھلا کر ہنسا

”اومائی گاڈ ابر! یہ چوڑیاں پہننے والا ڈائیلاگ مردوں کے لئے ہے میری جان ہم کچھ اور سوچتے ہیں اوکے؟“ مقابل کا قہقہ بے ساحتہ تھا

”اور ذرا یہ میرے گڈے کو فون دو مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“ ضامنہ پر جوش لہجے میں بولی تو ابر نے فون کان سے ہٹا کر یوں گھورا جیسے وہ اس کے سامنے ہو

”یہ لو بھی! نہ اسے تمہاری کسی بات کی سمجھ آتی ہے نہ تمہیں اس کی پھر بھی محترمہ کو بات کرنی ہے۔“ ابر نے بڑبڑاتے ہوئے فون اب اسود کی جانب بڑھایا تو وہ ابر کے ہاتھ سے فون جھپٹتے اسے منہ میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگا

”یا اللہ یہ لڑکا ہر چیز کو منہ میں ڈالنا کب چھوڑے گا!“ وہ صدمے سے اس کے ہاتھ سے فون لے کر اس کے کان کے ساتھ لگانے لگی

”ہاں جی کیسا ہے خالہ کا جانو بچہ؟ خالہ کو مس کیا میرے بیٹے نے؟“ ضامنہ باقاعدہ پچکارتی ہوئے گویا ہوئی، اسود بھی اس کی آواز پہچانتا صوفے پر اچھلنے لگا ابر تو بس اسے دیکھ کر رہ گئی

”اس کے اور اس کی خالہ کی محبت کے قصے تو سنہری حروف میں لکھنے لائق ہیں! کیسے سمجھ جاتے ہیں ایک دوسرے کی باتیں۔“ ابر تاسف سے بولی اور اسود کی جانب دیکھا جو عجیب و غریب آوازیں نکالتا پتہ نہیں ضامنہ کو کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مزید پانچ منٹ یوں ہی گزرے تو ابر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا لیکن ان دونوں کی غیر انسانی گفتگو ابھی بھی جاری تھی

اوپن کچن سے یہ سارا منظر دیکھتی شہر بانو بیگم مسکرائیں اور آج سے سات ماہ پہلے کا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا جب ابراس بچے کو پہلی بار اس گھر میں لائی تھی۔

چند ماہ قبل

انہیں آج بھی یاد تھا کہ کیسے اسود کے اس گھر میں آنے کے دو ماہ تک ابرپاگلوں کی طرح اس کے گھر والوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی تھی، سارا دن اس کا گاؤں اور گھرتک کے چکر میں گزر جاتا تھا۔ وہ ہنجر وال کے راستے پر واقع ہر گاؤں میں جا کر دیکھ چکی تھی کچھ لوگوں کو تو اپنا کانٹیکٹ نمبر بھی دے آئی تھی کہ اگر اس بچے کے بارے میں پوچھتا ہو کوئی وہاں آئے تو اسے خبر کر دی جائے۔ دو ماہ تک تلاش جاری رکھنے پر بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوا، کوئی ایک سرا بھی نہیں!

پہلے پہل وہ کئی یتیم خانوں میں ہو کر آئی کیونکہ وہ اتنے چھوٹے سے بچے کی ذمہ داری لینے کے لیے خود کو تیار نہیں سمجھتی تھی پر یتیم خانوں کے اندر چلتے مناظر اور وہاں موجود بچوں کو دیکھ کر اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ اسود کو یہاں چھوڑ جائے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

بے شک اس بچے سے اسکا کوئی خون کا تعلق نہیں تھا پر ابر کو ان دو ماہ میں اس بچے کی موجودگی کی عادت ہو گئی تھی۔ ایک عجیب سی انسیت تھی جو اسے بار بار اس بچے کی طرف کھینچتی تھی۔ تین ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی جب اسود کے گھر والوں کی کوئی خبر نہ ملی تو اسے لگا کہ اب یہ معاملہ مزید نہیں لٹکانا چاہیے اور بہتر یہی ہے کہ وہ کوئی قدم اٹھائے۔

آخر تین ماہ کے بعد ابر اس بچے کو اپنی لیگل کسٹڈی میں لے چکی تھی، اب وہ اس کی گارجین تھی اور دنیا کی نظر میں اسود کی ماں اور شاید اس کے خود کے لیے بھی۔۔۔

شہر بانو بیگم نے کچھ عرصہ ابر کے فیصلے پر احتجاج کیا لیکن پھر ہار مان گئیں کیونکہ ابر جو کرنا چاہتی تھی وہ کر کے ہی دم لیا کرتی تھی۔

حال

”بس بھی کرو ضامنہ کیا تمہیں کوئی کام نہیں ہے؟ فیلڈ کب جوائن کر رہی ہو تم؟“ ابر نے تنگ آ کر فون اسود کے کان سے ہٹاتے اس کا رخ اپنی جانب موڑا

”کیا بد تمیزی ہے؟ فون واپس دو اسود کو ہم بہت ضروری بات کر رہے تھے!“ اس نے احتجاج کیا لیکن ابر نے سنی ان سنی کرتے واپس اپنی بات دہرائی

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”میری بات کا جواب دو پھر ہو سکتا ہے کل تک اسود کو ملوانے لے آؤں تم سے۔“ اب اس نے ذرا سمجھداری کا مظاہرہ کرتے بات اپنے فائدے کی طرف ڈھالی

”سچ میں ابر تم بہت اچھی ہو میرے سامنے ہوتی تو گال چوم لیتی تمہارے۔“ ضامنہ چہکی

”اچھا بس بس یہ گال چومنے والی بات ہم اگنور کریں گے!“ ابر نے جھرجھری لیتے کہا تو ضامنہ کا زوردار قہقہہ گونجا

(وہ ایسی ہی تھی اسے چند ایک لوگوں کے علاوہ باقی سب سے فزیکل ٹچ ان کمفرٹیبل کر دیا کرتا تھا)

”یار فیلڈ جو اُن کر چکی ہوں کیا بتاؤں آج ہی ایک قتل کیس کے سلسلے میں فرانزک ٹیم کو کرائم سین پر طلب کیا گیا تھا! کسی بچے کے اغواء کا کیس تھا جو قتل کی صورت اختیار کر چکا ہے! ابرتم اس بچے کی باڈی دیکھتی تو کانپ جاتی، کسی نے بہت بے دردی سے مارا ہے اسے۔“ اس کی آواز میں کچھ تھا کچھ ایسا جو ابر نے پہلے کبھی اس سے بات کرتے وقت محسوس نہیں کیا تھا

”بالاج قتل کیس کی بات کر رہی ہو؟ میں نے نیوز میں دیکھا تھا ابھی کچھ دیر پہلے، سنا ہے کوئی خاندانی دشمنی تھی۔“ اب کہ وہ دونوں بالکل سنجیدہ تھیں

”ہاں ہاں وہی بالاج قتل کیس! بچے کے والد نے تورپورٹ میں یہی بیان درج کروایا تھا کہ کوئی خاندانی دشمنی کی بنا پر اغواء کیا تھا اسے اور اس واقعے سے ایک بار قبل بھی اس بچے کو اغواء کرنے کی ناکام کوشش کی جا چکی تھی۔“ وہ اپنی بات کہہ کر چپ ہو گئی

”ہمم! یہ جاگیر دار اور ان کی دشمنیاں! ان بڑوں کی غلطیوں کی سزا اس بے چارے معصوم کو بھگتنی پڑی۔“ ابر نے ناگواری سے کہا

”سہی کہہ رہی ہو! پولیس ملزم کو تلاش کرنے کے لیے جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے پر کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی انھیں، یہاں فرانزک ڈپارٹمنٹ میں بھی صبح سے افراتفری کا عالم ہے۔“ لہجہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

”کیا لگتا ہے پھر کب تک اس کیس کی گتھی سلجھے گی؟“ ابر نے جانچتے لہجے میں پوچھا

”بس پولیس کے اس ملزم کو پکڑنے کی دیر ہے پھر تو حل ہی سمجھو! اچھا چلو پھر مجھے اب گھر کیلئے نکلنا ہے کل ملاقات ہوتی ہے۔“ ضامنہ نے فون کان سے ہٹاتے ہوئے وقت دیکھا اور پھر الوداعی کلمات کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کا رخ اب گھر کی جانب تھا۔

کیا واقعی یہ کیس اتنا آسان جانے والا تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی یا پھر وقت کوئی نئی چال چلنے جا رہا تھا؟

ملک حویلی کا منظر دیکھیں تو وہاں صف ماتم بچھی تھی۔ عورتوں کے رونے کی آوازوں سے ساری حویلی کے درودیوار لرز رہے تھے۔ آج اس حویلی کے ہر فرد پر ایک نئی قیامت ٹوٹی تھی اور آج کا دن زین عالم کی زندگی کا بدترین دن ثابت ہونے والا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

حویلی کے داخلی دروازے سے چار پانچ مرد گھر میں داخل ہوئے جس میں سے ایک زین بھی تھا، بکھرے بال اور ضبط سے سرخ چہرہ لئے اس کا رخ بلند آواز سے روتی سلویٰ کی جانب تھا۔ وہ آگے بڑھتا روتی چیختی سلویٰ کے پاس بیٹھ گیا جسے غزالہ بیگم تھامنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

”بھابھی! ادھر دیکھیں میری طرف“ اس نے غزالہ بیگم کو پیچھے کرتے سلویٰ کو قابو کرنے کی کوشش کی

”زین۔۔۔ زین کہاں تھے تم یہ دیکھو بالاج کو! یہ کیوں نہیں اٹھ رہا اسے کہو اس کی ماں مر جائے گی ایک بار بس ایک بار آنکھیں کھول لے، یہ مجھے ایسے کیوں تنگ کر رہا ہے تم اسے بولو کہ اب اٹھ جائے، تمہاری بات تو مانتا ہے نایہ ”وہ ہزنیانی انداز میں چیختی بار بار زین سے اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”بھابھی سنبھالیں خود کو جنازے کا وقت ہو رہا ہے ہمیں بالاج کو لے جانے دیں پلیر!“ زین نے بغیر اس کی طرف دیکھے بے بسی سے کہا

”نہیں میں! میں تم لوگوں کو اپنے بچے کو کہیں نہیں لے جانے دوں گی، تم سب بالاج کو مجھ سے چھیننا چاہتے ہو، کہیں نہیں جائے گا بالاج، تم سب ملے ہوئے ہو“ وہ اپنا آپ اس کی گرفت سے آزاد کرواتی میت کی طرف لپکی

پاس کھڑے جہانگیر اور ملک عالم نے کس قدر تکلیف سے اس کو دیکھا تھا۔ جہانگیر نے التجائی نظروں سے غزالہ بیگم کو دیکھا تو وہ آنسو روکتی اٹھیں اور سلویٰ کو پکڑ کر میت سے دور کیا۔

سلویٰ روتی چیختی رہی فریاد کرتی رہی اپنے آپ کو غزالہ بیگم کی گرفت سے چھڑوانے کی سعی کرتی رہی۔ مرد حضرات اب میت کو کندھوں پر اٹھائے باہر جا رہے تھے کلمہ شہادت کی آواز ہر سو گونج رہی تھی، پیچھے سلویٰ یہ منظر دیکھتی غزالہ بیگم کے ہاتھوں میں حواس کھو بیٹھی۔

ایک کے بعد ایک! اس حویلی کا ہر گزر تادین ایک نیا امتحان لے کر آتا تھا۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی تو وہ بالاج کے پہلی بار اغواء کی خبر سے کس قدر خوف اور اذیت سے گزرے تھے اور اب چار روز قبل کے اس واقعے نے سب کی زندگیوں سے سکون اور چین چھین لیا تھا۔ کتنی کوشش کی تھی ان چار دنوں میں زین نے بالاج کو ڈھونڈنے کی۔

ساراسارا دن لاہور کی سڑکوں پر خاک چھانتا رہا تھا کتنی دعائیں کیں تھیں اس نے کہ اللہ بس یہ امتحان نہیں، بس یہ نہیں پر قسمت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے آج صبح پولیس کی طرف سے بالاج کے متعلق ملنے والی خبر اس حویلی کے ہر فرد پر بجلی بن کر گری۔

کن مردہ قدموں سے زین اور جہانگیر نے پولیس سٹیشن اور پھر سرد خانے کا سفر طے کیا تھا یہ وہی جانتے تھے۔ سرد خانے میں سامنے میز پر پڑی لاش پر سے چادر ہٹاتے زین کے ہاتھ کپکپائے تھے آنکھوں کے سامنے ہنستے کھیلتے بالاج کا چہرہ لہرایا

”چاچو آپ کیا ہر وقت کمرے میں گھسے کتابیں پڑھتے رہتے ہیں! چلیں نا باہر موسم اتنا اچھا ہو رہا ہے ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلیں۔“

بالاج کی آواز کانوں میں گونجی

Safar-e-Adab

”چاچو میری اگلی برتھڈے پر مجھے بالکل آپ والا پرفیوم چاہیے۔“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”آپ کتنے بڑے چیٹر ہیں یا آپ نے کہا تھا آپ بابا سے مجھے مری جانے کی اجازت لے کر دیں گے۔“

”آپ کو پتہ ہے چاچو اس حویلی میں آپ میرے سب سے فیورٹ ہیں۔“

”آپ جو آپ بار بار مجھے اپنی شکل گم کرنے کا بولتے ہیں نا جس دن یہ شکل آپ کو نظر نہ آئی نا تو پاگلوں کی طرح ڈھونڈیں گے مجھے۔“

”ایو و و و و چھی! کو لڈ کافی میں چپس کون ڈبو کر کھاتا ہے چاچو۔۔۔ یو آر سو گروس۔“

ایک کے بعد ایک منظر کسی فلم کی طرح چلنے لگا، لاش پر سے کپڑا ہٹاتا اس کا ہاتھ بے دم سا ہو کر پہلو میں آگرا۔ وہ بالاج تھا! اس کے سامنے سٹر پیچ پر پڑا وہ وجود بالاج کا تھا بری طرح زخمی، چہرے پر تشدد کے نشانات واضح تھے! جہانگیر بالاج کا بے جان وجود دیکھتا دیوار کا سہارا لئے وہیں بیٹھتا چلا گیا۔ اس کا بیٹا اس کی متاع حیات، وہ سانس نہیں لے سکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے تکلیف ایسی تھی کہ جیسے دل بند ہو رہا ہو۔ یہ اب ساری زندگی کا روگ تھا زین نے پیچھے مڑ کر جہانگیر کی طرف دیکھا اور اس کے پاس زمین پر بیٹھتا اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔ بس اتنی دیر تھی کہ جہانگیر کے دل سے رستاخون آنسوؤں کی شکل اختیار کرنے لگا۔ وہ دونوں بھائی نجانی کتنی دیر وہاں بیٹھے بے آواز روتے رہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

میت کے حویلی پہنچتے ہی وہاں کہرام مچ چکا تھا۔ سلویٰ کی زندگی کا کل سرمایہ اس کا سہارا اسے چھوڑ کر جا چکا تھا وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح میت کے سرہانے بیٹھی رہی۔ بارہ سالہ مریم اپنے بھائی کے غم میں رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ حویلی کا ہر فرد آج موت کی سی اذیت سے گزر رہا تھا۔ کس نے سوچا تھا کہ ان کے جگر کا ٹکڑا یوں دو خاندانوں کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔

جہانگیر نے اپنے غلط فیصلوں کی قیمت آج اپنے بیٹے کی موت کی صورت میں چکائی تھی۔

ماضی

شمن کے انتقال کو دو سال گزر چکے تھے پر ملک عالم ابھی تک ان کے غم سے نکلنے کو تیار نہیں تھے۔ سمعان اور نگین بارہا انہیں زین کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر چکے تھے، اسے ماں کی ضرورت تھی۔ سمعان عالم کو آئے روز دوسری شادی کا مشورہ دیتے پر ملک عالم ان کی بات نہ ماننے کا جیسے تہیہ کر چکے تھے۔

تین سال کا عرصہ یوں ہی گزر گیا بالآخر ملک عالم نے ایک دن سمعان اور نگین کے آگے ہار مان لی۔ وہ شادی کے لیے ہاں کہہ چکے تھے لیکن بس اس شرط پہ کہ وہ عورت صرف زین کی ماں بن کر اس گھر میں آئے گی اس کے علاوہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ سمعان اور نگین تو اسی میں خوش تھے کہ وہ شادی کے لیے مان چکا تھا تو انہوں نے اور کوئی ڈیمانڈ نہ کی۔

مزید دو ہفتے کے اندر اندر ملک عالم اپنی پھوپھی کی بیٹی غزالہ سے نکاح کر کے اسے ملک حویلی لا چکے تھے۔

دن کب مہینوں میں بدلے اور پھر کب سال میں اس کا اندازہ ملک حویلی میں اور کسی کو ہوا ہو یا نہیں پر زین عالم اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے ستائیس سالوں میں ایک ایک دن اور ایک ایک لمحہ کیسے گزارا ہے۔

حویلی میں بہت کچھ بدل چکا تھا نگین اور سمعان کے کار ایکسیڈنٹ میں وفات پا جانے کے بعد حویلی کے سناٹوں کو جہانگیر کی شادی نے توڑا۔ وہ انیس سال کا تھا جب اس نے ملک عالم کے سامنے اپنی شادی کرنے کا خیال پیش کیا۔ ملک عالم نے

کچھ دن اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ابھی شادی کے لیے تیار نہیں ہے پر جہانگیر انھیں ہر قسم کی تسلی کروانے پر بضد تھا آخر ملک عالم نے اپنے مرحوم بھائی اور بھابی کے بارے میں سوچتے جہانگیر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

ماں باپ کے انتقال کے بعد وہ بہت چڑچڑی طبیعت کا مالک ہو گیا تھا۔ بات بات پر باہر لڑکوں کے گریبان تک پہنچ جاتا۔ ملک عالم تو اس کے سامنے بے بس ہو گئے تھے نہ تو اس پر سختی کر سکتے تھے اور نہ اسے بالکل کھلی چھوٹ دے سکتے تھے لہذا انھیں جہانگیر کے فیصلے پر حامی بھرنی پڑی اور محض انیس سال کی عمر میں جہانگیر اپنی یونیورسٹی کی ہی ایک لڑکی سلویٰ سے شادی کر کے اسے ملک حویلی کا حصہ بنا چکا تھا۔ جہاں ملک عالم کے سلویٰ سے متعلق بہت سارے خدشات تھے وہیں غزالہ بیگم خود کو اس حویلی کے ہر معاملے سے بالکل لا تعلق کئے ہوئے تھیں۔

سلویٰ جہانگیر کے لیے بہت اچھی ہمسفر ثابت ہوئی تھی ان کے کم عمری میں شادی کرنے کے باوجود وہ بہت سمجھدار اور گھر کو جوڑنے والی لڑکی تھی۔

وقت پر لگا کر اڑ گیا حویلی کے درودیوار اب 16 سالہ بالاج اور 12 سالہ مریم کی نوک جھونک سے گونجتے تھے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ دونوں گھر میں نیا کھرام برپا کئے نظر آتے۔ سلویٰ تو ان کو سمجھاتے سمجھاتے ہلکان ہو جاتی تھی۔ البتہ جہانگیر روایتی باپ تھا سلویٰ کے مقابلے میں وہ بچوں پر سختی کیا کرتا تھا تبھی بالاج جہانگیر کی نسبت زین کے زیادہ قریب تھا۔

آئے روز وہ زین سے نت نئی فرمائشیں کیا کرتا اور اکثر اپنی شیطانوں پر جہانگیر کی ڈانٹ سے بچنے کے لئے زین کو آگے کر دیا کرتا۔ مریم کی بالاج سے چڑ بھی بالاج کے اسے چڑانے اور مذاق اڑانے کی وجہ سے تھی بقول بالاج کے وہ بابا کی چچی تھی۔

اگر کوئی زین سے کہتا کہ اپنی زندگی کی ساری جمع پونجی لٹا کر وہ ماضی کے ان لمحات کو واپس لا سکتا ہے تو وہ اپنی سانسیں تک لٹانے سے گریزنہ کرتا۔ ملک حویلی کے ہر فرد کے لیے حال بہت تاریک ثابت ہوا تھا، وقت نے انہیں بہت گہرا زخم دیا تھا جو ساری زندگی ایک بدنما داغ کی صورت میں ان سب کے ساتھ رہنا تھا۔

حال

شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے سورج اب اپنی آخری منزلیں طے کر رہا تھا۔ آسمان پر پرندے اپنے گھونسلوں کا رخ کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اپنے ہاتھ میں پھولوں کی پتیاں پکڑے بیٹھا تھا جو کب کی مرجھا چکی تھیں۔ چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشانات لئے وہ خلا میں گھور رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے جہا نکیر بھی گھر جا چکا تھا پر وہ وہیں بیٹھا تھا وہ اس حویلی میں قدم نہیں رکھنا چاہتا تھا! ملک حویلی زین کے لیے منہوس ثابت ہوئی تھی۔ اس کی پیدائش سے لے کر موجودہ دن تک زین نے کوئی ایک دن بھی اس حویلی میں بے فکری سے نہیں گزارا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”منہوس وہ حویلی نہیں تم خود ہو!“ اندر سے اک آواز آئی وہ پھر بھی ڈھیٹ بنا یو نہی بیٹھا رہا

سہی تو تھی یہ بات بھلا حویلی کیسے کر سڈ ہو سکتی ہے منہوس تو وہ خود تھا جو پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کو نگل گیا پھر اپنے باپ کی اولاد کا قتل کر دیا اور اب بالاج کی موت کا زمرہ دار بھی تو وہی تھا۔ آج اس کا بہت شدت سے دل چاہا تھا کہ بالاج کی جگہ وہ مر گیا ہوتا۔ وہ بہت عرصہ پہلے خود کشی کے بارے میں سوچنا چھوڑ چکا تھا پر آج وہ ساری باتیں پھر سے درمیان میں عود آئی تھیں۔

اس نے گہرا سانس لے کر چہرہ اوپر کیا، بے تاثر اور ویران آنکھوں نے قبر کے کتبے تک کا سفر کیا۔

"بالاج جہانگیر"

زین ہمیشہ بالاج سے کہا کرتا تھا کہ وہ اسے زندگی میں اتنا کامیاب دیکھنا چاہتا ہے کہ جہاں وہ جائے وہاں بالاج کا نام نقش ہو اور بالاج اس بات پر اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

آج زین کو احساس ہوا تھا کہ اس کی دعا کی قبولیت کس انداز میں ہوئی تھی، پچھلے چار دنوں سے ہرنیوز چینل کی پٹی پر بالاج کا نام روشن تھا سوشل میڈیا پر جسٹس فار بالاج کے ٹرینڈ چل رہے تھے اور یہ قبر کا کتبہ! یہ وہ تمام جگہیں تھیں جن پر وہ بالاج کا نام کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا کم از کم اس طرح تو کبھی نہیں۔

کاش وہ وقت میں پیچھے جاسکتا، بہت پیچھے، اتنا کہ جہاں اس کے کرسٹو وجود کا نام و نشان بھی نہ ہو۔

ایک بوجھل سانس ہوا کے سپرد کرتا وہ وہاں سے اٹھ گیا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے مزید چند منٹ یہاں بیٹھا تو ذہنی توازن کھو بیٹھے گا۔ اس کا رخ اب حویلی کی جانب تھا

-ARGUS-

"جس کی ایک نگاہ سونے کو خاک کر دیا کرتی ہے"

رات کے گہرے اندھیرے میں اس لکڑی سے بنی کوٹھڑی میں زرد رنگ کی روشنی کے علاوہ اگر کچھ نظر آ رہا تھا تو وہ تھیں اس کی لہو رنگ آنکھیں۔ سرد بے تاثر اور مقابل کو بھسم کر دینے والی!

اس کی آنکھوں میں طیش تھا سب کچھ راکھ کر دینے کا جنون تھا! وہ جو رات کے اندھیرے میں سائے کی مانند تھا آج پہلی بار ایک کوتاہی کی وجہ سے سب کی نظروں میں آچکا تھا۔ یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا اس کا یوں سب کی نظروں میں آ جانا اس سے زیادہ دوسروں کے لیے خطرناک ثابت ہونے والا تھا۔ اس کا اندھیرے سے روشنی کا یہ سفر بہت لوگوں کو مہنگا پڑنے والا تھا۔ اس کے غضب کو آواز دی گئی تھی۔

اور آگس کو غضب دلانے سے خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

Safar-e-Adab

وہ ابھی ابھی قبرستان سے گھر لوٹا تھا اور حویلی میں داخل ہوتے ہی جو پہلی آواز زین کے کانوں میں پڑی وہ سلویٰ کی تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتے اس نے اندر تک کارستہ عبور کیا۔

”کچھ بولتے کیوں نہیں اب! کہاں چھوڑ آئے ہو بالاج کو؟“ سلویٰ جہانگیر کو گریبان سے جھنجھوڑتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

حویلی کے باقی افراد بھی وہیں موجود تھے۔ زین نے ان سے کچھ فاصلے پر اپنے قدم روک لئے۔

”ہوش کرو سلوی! چلا گیا ہے بالاج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، مرچکا ہے وہ۔“ جہانگیر سلوی سے اپنا گریبان چھڑواتے ہوئے بے بسی سے دھاڑا

سلوی دو قدم پیچھے ہوئی نظر زین سے ٹکرائی۔۔۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں زین کی طرف بڑھی اس کے بالکل قریب پہنچ کر وہ رکی اور پھر سارا ہال چٹاخ کی آواز سے گونج گیا۔

زین نے بے یقینی سے بانیں گال پر ہاتھ رکھے سلوی کو دیکھا، جہانگیر نے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا پر سلوی نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

”تم دونوں بھائی! تم نکل گئے میرے بچے کو، تمہاری دشمنیاں میرا بچہ کھا گئیں“ سلوی نے غضب ناک آنکھوں سے زین اور جہانگیر کو دیکھا

”ملک جہانگیر مبارک ہو تمہاری دشمنی کا بویا ہوا بیج آج امر نیل بن کر میرے بالاج کو نکل گیا۔ وہ تمہاری دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا۔“ وہ پھنکاری

”اور تم زین! میں نے کہا تھا مت لے کر جاؤ اسے پر تم نے مجھ سے کہا کہ بالاج کی حفاظت کا ذمہ تم لوگے تو لاؤ میرا بیٹا لوٹاؤ مجھے۔“ زین کے لیے سلوی کے یہ الفاظ کسی زہر میں بجھے خنجر جیسے تھے

”تم نے کیوں اس کی حفاظت نہیں کی؟ تمہاری وجہ سے آج میں خالی ہاتھ رہ گئی ہوں زین! تم اسے ساتھ لے تو گئے پر اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ تم بھی بالاج کے قتل میں برابر شریک ہو! قاتل ہو تم لوگ اس کے۔“ وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی روتی چنگھاڑتی آواز پس منظر میں ابھی بھی تھی پر زین وہاں نہیں تھا۔

آج اس کے سامنے بیس سال پرانا منظر دہرایا جا رہا تھا

ماضی

”عالم یہ قاتل ہے ہمارے بچے کا! اس نے مجھے سڑھیوں سے دھکا دیا تھا یہ آسیب ہے جو میری جان کو چمٹ گیا ہے۔ یہ درندہ ہماری خوشیوں کا خون کر گیا آج۔“ غزالہ بیگم روتے ہوئے مسلسل اپنے الفاظ دہرا رہی تھیں پاس کھڑے عالم شاک کی کیفیت میں بالکل گنگ کھڑے زین کو دیکھ رہے تھے جو سرد نظروں سے غزالہ کو آنسو بہاتے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے ہمیشہ اسے اپنے بیٹے کی طرح پیار دیا پر اس نے کبھی مجھے اپنی ماں نہیں سمجھا، پتہ نہیں کس چیز کا بدلہ لیا ہے اس نے مجھ سے اور میرے بچے سے، پہلے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں نگل گیا پھر نگین آپا اور سمعان بھائی کی زندگیوں کو سیاہ کر دیا اور اب میرا بچہ! عالم آپ چپ کیوں ہیں؟ کیا آپ کو اس کی آنکھوں کی شیطانیت دکھائی نہیں دے رہی۔“

غزالہ بیگم نے پاس کھڑے عالم کو جھنجھوڑا

ملک عالم نے ایک نظر غزالہ کو دیکھا اور پھر زین کی طرف بڑھے۔ زین ان کے اپنی طرف بڑھتے قدم دیکھ رہا تھا۔

یہ ایک فضا ایک کے بعد ایک تھپڑ کی آواز سے گونجنے لگی۔ آج پہلی بار ملک عالم نے اپنے بیٹے کی طرف قدم بڑھائے تھے اور وہ بھی چند تھپڑوں کے لیے۔ زین چپ چاپ بغیر آواز کئے کھڑا رہا۔

”منہوس! اپنی ماں کو مار کر دل نہیں بھرا تھا جواب میرے خاندان کو اپنا نشانہ بنالیا ہے؟ کتنے قتل کر کے تھمنے کا ارادہ ہے تمہارا ذلیل انسان۔“ وہ اسے گریبان سے پکڑے ایک کے بعد ایک تھپڑ مارتے چلے گئے اور زین سہتا رہا! تو کیا زین ملک عالم کے خاندان کا فرد نہیں تھا؟ وہ مار کھاتے ہوئے بس اسی نقطے کو سوچ رہا تھا۔

غزالہ بیگم آنسو پونچھ کر اب اسے پٹتا دیکھ رہی تھیں۔ اس کا باپ جو اس کا نام لینے کا روادار نہیں تھا آج اس نے زین کو قاتل گردان دیا تھا۔

نجانے کیا وقت تھا جب ملک عالم اس کو مارتے مارتے تھک گئے تو اسے یونہی بے دم سی حالت میں زمین پر پٹختے وہاں سے غائب ہو گئے۔ کتنی ہی دیر وہ وہیں فرش پر پڑا رہا۔ رات کے کسی پہر حویلی کے پرانے ملازم نے کچن میں جاتے ہوئے وہاں فرش پر بے ہوش پڑے زین کو دیکھا تو دھک سے رہ گیا۔ اس کے بعد زین کے ہوش میں آنے اور اس کے زخم مندمل ہونے تک کمال بابا نے اس کا خیال رکھا تھا۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

حال

وہ لٹا پٹا سا وہیں کھڑا رہا۔ غزالہ بیگم سلویٰ کو کمرے میں لے جا چکی تھیں۔ جہاں گیر نجانے اسے کیا کہتا باہر نکل گیا تھا۔ ملک عالم اور زین آمنے سامنے کھڑے تھے، زین کی نگاہیں ہنوز قالین کو گھور رہی تھیں جن کا ارتکاز تب ٹوٹا جب اس قالین کی جگہ سیاہ جوتوں نے لے لی۔

زین نے سر اٹھایا سامنے ملک عالم کھڑے تھے۔ آج دوسری بار اس کے باپ نے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے، وہ جو کوئی تسلی بھرے الفاظ کی آس لگائے بیٹھا تھا ان کے منہ سے ادا ہونے والے الفاظ سے چونک گیا۔

”تم دفع کیوں نہیں ہو جاتے ہماری زندگیوں سے؟“ بھاری کھر در اسالہ زین کی نظریں انکے چہرے کے کرخت تاثرات پر ٹکی تھیں

”آخر اور کتنی جانیں لے کر سکون مل پائے گا تمہیں؟ کیوں کسی آسیب کی طرح ہماری خوشیوں کو کھا رہے ہو تم لڑکے؟ اب اگلا نشانہ کون ہے تمہارا؟“ تو طے تھا کہ وہ آج بھی زین کو اس کے نام سے مخاطب کرنے کے روادار نہیں تھے۔ وہ مسلسل زہر اگلے رہے یہ سوچے سمجھے بغیر کے زین نے بھی آج اپنے جان سے عزیز بھتیجے کو کھویا ہے۔

”آخر اگلی باری کس کی ہے آخر؟ میں؟ غزالہ؟ جہانگیر؟ سلویٰ یا پھر مریم؟“ کیا کبھی کسی نے انہیں بتایا تھا کہ وہ کس قدر سفاک ہیں

زین پتھرائی آنکھوں سے انہیں دیکھے گیا۔۔۔ وہ چند قدم مزید آگے آئے ہاتھوں نے زین کے گریبان تک کا سفر کیا۔

”سلویٰ اور غزالہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں تم منہوس ہو! قاتل ہو تم۔۔۔ قاتل ہو اپنی ماں کے میرے اور غزالہ کے بچے کہ اور اب بالا۔۔۔“ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتے زین نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان ان کی گرفت سے چھڑوایا

”اس دنیا کے کسی بھی انسان کو زین عالم کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے! میرے اپنے باپ کو بھی نہیں۔“ زین نے اپنی شرٹ کا کالر درست کرتے کہا، ملک عالم اسے دیکھ کر رہ گئے

”یہ جس نام کا بڑا غرور ہے نہ تمہیں لڑکے! اس کا دم چھلا ہٹا کر ذرا باہر کی دنیا میں قدم رکھو تو تمہیں پتہ چلے کہ تمہارے یہ شاہانہ تیور کس کی بدولت ہیں، درد کی خاک چھانو گے جب تو عقل خوب ٹھکانے پر آجائے گی“ اب کہ وہ جلال میں آکر دھاڑے۔۔۔۔۔ زین نے استہزائیہ سے انداز میں ان کو دیکھا

”معاف کیجیے گا عالم صاحب پر میں جو کچھ بھی ہوں اپنی بدولت ہوں! آپ ساری عمر مجھ سے غافل رہے ہوں گے لیکن میں نے اپنی ذات سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ بزنس کی دنیا میں میرا اپنا ایک نام اور مقام ہے جو میرے اپنے بل بوتے پر ہے! یہ یہ جو بڑی شاندار حویلی ہے نا آپ کی (ہاتھ کے اشارے سے حویلی کا ہر حصہ گنوا یا) اس کے برابر اپنا ذاتی گھر ہے میرا! بہت افسوس ہو رہا ہے بتاتے ہوئے کہ میں آپ کی توقعات کے مطابق اس حویلی کو چھوڑنے کے بعد درد کی خاک نہیں چھاننے والا۔“ زین نے چبا چبا کر ہر لفظ ادا کیا

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ملک عالم تو حیران پریشان سے اسے دیکھ رہے تھے یہ زین کا کون سا روپ تھا جو آج ان کے سامنے کھلا تھا۔ یہ تو وہ لڑکا نہیں تھا جو ایک لفظ کہے بغیر ان سے پٹ جایا کرتا تھا۔

”اور اگر آپ کو لگتا ہے کہ مجھے آپ کی اس شاندار حویلی میں رہنے کا بہت شوق ہے تو آپ کی یہ غلط فہمی بھی دور کئے دیتا ہوں! میں اس گھر میں صرف بالاج اور مریم کی وجہ سے تھا جس سلسلے کو آج بالاج کی موت نے ختم کر دیا۔ فکر

مت کریں آج کے بعد یہ منہوس چہرہ آپ کو دوبارہ نظر نہیں آئے گا۔" زین نے درشتگی سے کہہ کر رخ موڑا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

ملک عالم پیچھے ہکا بکا کھڑے رہ گئے۔

زین نے کمرے میں آ کر اپنا سفری بیگ نکالا! الماری سے کپڑے نکالتے اس کا ہاتھ پر فیوم کے ڈبے سے ٹکرایا تو وہ رک! بالاج کا چہرہ ایک بار پھر یادوں کے پردے پر لہرایا۔

وہ یہ پر فیوم قاہرہ سے بالاج کی فرمائش پر اس کے سالگرہ کے تحفے کے طور پر لایا تھا۔ آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر بہہ گیا۔ وہ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کر کے واپس بیگ کی طرف متوجہ ہوا! سنبھال کروہ پر فیوم کی شیشی کپڑوں کے ساتھ رکھی، اس کے سامان میں تھا ہی کیا چند سوٹ کچھ کتابیں اور پر فیومز!؟

پیکنگ مکمل کر کے اس نے ایک نگاہ سارے کمرے میں دوڑائی اور پھر بیگ اٹھاتا باہر نکل گیا۔

سڑھیاں اترتے اس نے دیکھا کہ ملک عالم اور غزالہ بیگم وہیں ہال میں صوفے پر براجمان تھے۔ نگاہیں ان کی نگاہوں سے ملیں۔ مزید ایک سیکنڈ کی دیر کئے بغیر وہ دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا تیزی سے حویلی کا دروازہ پار کر گیا۔

زین عالم کی چوڑی پشت وہ آخری منظر تھا جو غزالہ بیگم اور ملک عالم کی آنکھوں نے دور تک دیکھا۔

سورج کی کرنیں ہر شے سے ٹکراتی انھیں چمک بخش رہی تھیں پرندوں کی چچھاہٹ اور ہلکے پھلکے ٹریفک سے ماحول میں شور پیدا ہو رہا تھا۔ وہ اپنے کورٹ کے مخصوص حلیے میں جلدی جلدی سیڑھیاں اترتی نیچے لاؤنج میں آکر رکی۔ کوفت سے گھڑی کے سٹریپ کو دیکھا جو کب سے بند ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

”ارے ابرنچے؟ اتنی صبح صبح اب کہاں کی تیاری ہے؟ کل ہی تو تم نے کہا تھا کہ اب بریک لوگی۔“ اوپن پکن سے شہر بانو بیگم نے اسے سیڑھیاں اترتے دیکھا تو پوچھے بنانہ رہ سکیں

”امی رات جسٹس جواد صاحب کی کال آئی تھی کوئی کیس بینڈ اوور کرنا چاہتے ہیں بس وہیں جا رہی ہوں۔“ وہ مصروف سے انداز میں گھڑی کا سٹریپ بند کرتی بولی

”پرچھٹی کا کیا ہوا؟ ابھی کل ایک کیس ختم ہوا ہے اور آج نیا کیس شروع کرنے جا رہی ہو؟ کیوں خود کو اتنا تھکا رہی ہو بچے؟“ وہ گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی اسکے قریب آگئیں

”چھٹیوں کے لئے ساری زندگی پڑی ہے امی فکر مت کریں میں ٹھیک ہوں اور یہ کیس بہت اہم ہے۔“ ابرنچے بات ٹالنی چاہی

”پر بیٹا!“ وہ مزید کچھ کہہ رہی تھیں

”پرور کچھ نہیں دعا کرے گا یہ کیس بھی باقی سب کی طرح کامیاب گزرے، اب مجھے دیر ہو رہی ہے باقی باتیں واپس آکر کریں گے! ہممم“ وہ شہر بانو کا ماتھا چومتی عجلت میں باہر کی جانب بڑھ گئی

”ابروہ سب تو ٹھیک ہے پر ناشتہ تو کرتی جاؤ!!“ شہر بانو بیگم نے پیچھے سے ہانک لگائی پر وہ جا چکی تھی۔

”ساری دنیا کے کیس حل کر لے گی یہ لڑکی پر اپنے لئے دو گھڑی وقت نہیں نکال سکتی۔“ وہ سر جھٹکتی اب خود سے باتیں کر رہی تھیں اور دل ہی دل میں اس کے نئے کیس کے لیے دعائیں بھی۔

صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے سڑکوں پر اب کچھ ٹریفک بھی بڑھنے لگا تھا۔ آس پاس مرد حضرات اور اسکول یونیفارم میں ملبوس بچے موٹر سائیکل اور گاڑیوں پر آتے جاتے نظر آرہے تھے۔ وہ اگلے بیس منٹ میں جسٹس جواد کے آفس کے باہر موجود تھی۔ اس کی جانب سے دروازہ بجا کر اجازت طلب کی گئی جس پر اندر موجود جواد صاحب کی مصروف سی آواز ابھری۔

”کم ان“

وہ دروازے کا ناب گھماتی اندر داخل ہوئی، جسٹس جواد سامنے راکنگ چیئر پر بیٹھے دروازے کی طرف ہی متوجہ نظر آئے۔

”السلام وعلیکم سر! گڈ مارنگ“ ابر نے بشاشت سے سلام کیا، چہرے پر معمول سے ہٹ کر مسکراہٹ سچی نظر آئی

”وعلیکم السلام مس قریشی گڈ مارنگ! آئیے تشریف رکھیے۔“ جسٹس جواد نے نرمی سے کہتے مودب سی کھڑی ابر کو بیٹھنے کی اجازت دی تو وہ کرسی کھینچتی بیٹھ گئی۔

”کانگریجو لیشن پہلے تو! کل سے آپ کی کافی تعریفیں سننے کو مل رہی ہیں۔“ ناک پر رکھی عینک درست کرتے وہ ابر کے پچھلے کیس کے متعلق بات کر رہے تھے

”تھینک یو ویری مچ سر!“ اسے نے سر کو ذرا خم دیتے داد و وصول کی

"اور ہاں معذرت کہ آپ کو تکلیف دی مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ اب کچھ دن آرام کرنا چاہتی ہیں لیکن معاملہ ذرا ذاتی نوعیت کا تھا تو آپ کو زحمت دینی پڑی۔" وہ عینک اتار کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے

"سرر آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں، مجھے ویسے بھی آرام کی اتنی طلب نہیں تھی بس فیملی کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی تھی لیکن آپ کی درخواست میں کیسے رد کر سکتی ہوں۔" ابرو دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملا کر ٹیبل پر رکھتی ذرا آگے کو ہو کر بولی

دفعۃً دروازے پر دستک ہوئی تو جسٹس جواد اور ابرو دونوں ہی متوجہ ہوئے۔

"کم ان" انہوں نے اسی انداز میں اجازت دی

دروازہ کھول کر آنے والے نے وہیں سے سلام جھاڑا

"ارے زین آؤ آؤ تمہارا ہی انتظار ہو رہا تھا۔" جسٹس جواد اپنی سیٹ سے اٹھتے مقابل سے بغلگیر ہوئے تو ابرو نے مڑ کر آنے والے کو دیکھا۔

آف وائٹ کلر کے بزنس سوٹ میں بال پیچھے کی طرف جمائے وہ چھبیس ستائیس سالہ دراز قدم در تھا جواب جسٹس جواد سے مصافحہ کرتے ہوئے حال چال دریافت کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی جیسے سارے آفس میں خوشبو کا سیلاب اٹھ آیا ہو ابرو نے ایک نظر ڈال کر رخ موڑ لیا۔

جسٹس جواد اب واپس اپنی کرسی پر آچکے تھے زین ابرو کے برابر والی کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔

"مسس قریشی! ان سے ملیے یہ ملک زین عالم ہیں، شیراز کے بزنس پارٹنر (شیراز: جسٹس جواد کا بیٹا) اور بالاج کے چچا!" جسٹس جواد نے زین کو ابرو سے متعارف کرواتے کہا تو ابرو نے سمجھ کر سر ہلایا۔۔۔ زین بھی اس کی طرف متوجہ

ہوا

”اور زین یہ ایڈووکیٹ ابرالمیر ہیں ہماری بہت قابل وکیل، بالاج کا کیس انھی کو ہینڈ اوور کیا جا رہا ہے۔“ اب کہ انہوں نے زین سے کہا تو اس نے رخ ابر کی جانب موڑا۔۔ سفید شلوار قمیض پر سیاہ کوٹ اور گلے میں کپڑوں کا ہم رنگ دوپٹہ لئے وہ باقی وکلاء کی طرح مخصوص ڈریس کوڈ میں تھی البتہ بھورے بال کمر پر بکھرے تھے۔

”السلام علیکم!“ زین نے پہل کی

”وعلیکم السلام“ پروفیشنل انداز میں فوراً سے جواب دیا گیا

اور وہ دونوں واپس سے جسٹس جو اد کی طرف متوجہ ہو چکے تھے

”مس قریشی جیسا کہ آپ بالاج قتل کیس سے واقف ہی ہیں باقی کی تمام تفصیلات آپ کو اس میں مل جائیں گی۔“ انہوں نے کچھ فائلز ابر کی جانب بڑھائیں جسے وہ فوراً تھام گئی۔

”زین کے اس کیس کے متعلق بہت سارے خدشات کی وجہ سے انھیں مجھ سے مدد طلب کرنی پڑی اور باقی کی باتیں رات فون پر آپ کو بتا چکا ہوں! دیکھیں مس قریشی یہ کیس بظاہر بہت آسان ہے پر کچھ وجوہات کی بنا پر میں چاہتا ہوں کہ آپ بالاج کے قاتل کو ڈھونڈنے اور اسے انجام تک پہنچانے میں زین کی مکمل مدد کریں۔“ جسٹس جو اد اب براہ

راست ابر سے مخاطب ہوئے BEING THE STRING OF YOUR KITE

”کیس کے سلسلے میں پولیس اور فرانزک آپ کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ اے ایس پی بلیل کو تو آپ جانتی ہیں آپ کے ساتھ پہلے بھی دو کیسیز میں کام کر چکے ہیں، بالاج قتل کیس کو وہی ہیڈ کر رہے ہیں امید ہے آپ کو پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“ جسٹس جو اد اپنی بات مکمل کر کے اب اس کی طرف سے جواب کے منتظر تھے۔

”بہت شکریہ سر میں اپنی پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو مایوسی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔“ دھیمے سے لہجے میں جواب دیا گیا

”آپ کو کیس کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی معلومات یا مدد کی ضرورت ہو تو آپ بلا جھجک مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔“ ان کی مخلصانہ پیشکش پر ابر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

”زین تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے مس قریشی بہت ذمہ دار اور قابل وکیل ہیں، انشاء اللہ بہت جلد بالاج کا مجرم اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔“ ان کا رخ زین کی طرف تھا

”انشاء اللہ! بہت شکریہ انکل جو آپ نے یوں میری ایک درخواست پر ہی مدد کیلئے ہامی بھر لی۔“ اس نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔۔۔ آواز معمول سے زیادہ بھاری تھی۔۔۔ شاید ساری رات رونے کی وجہ سے

”ارے کیسی باتیں کر رہے ہو شیراز پر تمہارے تھوڑے احسانات نہیں ہیں اور ویسے بھی بالاج اس ملک کا بیٹا تھا ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ اس کو انصاف دلانے میں اپنا کردار ادا کریں۔“ جسٹس جو اد نے اس کا شکریہ سرے ہی ناقابل قبول سمجھا

کچھ دیر مزید وہ اس کیس کو ڈسکس کرتے رہے کہ جسٹس جو اد کا فون بجا۔ وہ ایکسکیوز کرتے باہر کی جانب بڑھ گئے۔ اب آفس میں ابر اور زین اکیلے تھے۔ ہر سو پھیلے سناٹے میں صرف ابر کے فائلز کے اوراق پلٹنے کی آواز آرہی تھی۔ زین چند سیکنڈز بغور اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔۔۔ فائل کے ورق پلٹتی ابر اس کی نظروں کا ارتکا ز اپنے چہرے پر محسوس کر چکی تھی دفعتاً اس نے سر اٹھایا ورق گردانی کرتے ہاتھ تھم چکے تھے۔ اس نے سوالیہ انداز میں ایک ابرو اٹھا کر زین کو دیکھا جس نے اس کے سر اٹھانے کے باوجود بھی نظروں کا زاویہ نہیں بدلہ تھا۔

”کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟“ زین کی طرف سے اس کی جانے والا یہ پہلا سوال تھا

”مسٹر ملک آپ کو نہیں لگتا کہ یہ ٹرک بہت پرانی ہو چکی ہے؟“ ابر نے چہرے پر مایوسی کے تاثرات سجاتے سوال کے بدلے سوال کیا اور پھر سے فائل کی طرف متوجہ ہو گئی

"بالاج کے لیے میں آپ سے تعزیت کرنا چاہتی ہوں پر میرا خیال ہے میرے الفاظ آپ کے غم کا ازالہ کسی صورت نہیں کر سکتے، اس لئے میری کوشش رہے گی کہ الفاظ کی بجائے اعمال سے آپ کا غم ہلکا کر سکوں!" ابر نے ذرا سر اٹھا کر کہا

زین نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا البتہ کھوجتی نظریں ابھی بھی اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ جسٹس جواد واپس آ چکے تھے دس منٹ مزید وہ تینوں کیس پر مبنی ضروری معلومات ڈسکس کرتے رہے اور پھر ابر نے واپسی کی اجازت طلب کی۔

وہ ابھی آفس سے نکل کر کچھ قدم آگے ہی بڑھی تھی کہ پیچھے سے آتی آواز نے اس کے قدم جکڑے

"دو ہفتے پہلے کیفے میں وہ آپ ہی تھیں نا!" زین جو اس کے ساتھ ہی آفس سے نکل آیا تھا کچھ یاد آنے پر اس سے مخاطب ہوا

ابر نے گھوم کر اپنے سے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑے لڑکے کو دیکھا۔ بھوری آنکھوں پر سورج کی پڑتی کرنیں... زین نے آس پاس موجود ہر شے کو ان بھوری آنکھوں کی روشنی سے چمکتے ہوئے دیکھا، بغیر پلکیں جھپکے وہ ہر سو پھیلتی روشنی کو دیکھ رہا تھا۔ ابر نے فائل آنکھوں سے کچھ اوپر رکھ کر روشنی کی راہ رو کی اور نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

سیاہ! بے رنگ!

زین کو لگا جیسے فائل کے سائے میں موجود وہ آنکھیں چند سیکنڈ پہلے چمکتی ہر چیز کی روشنی بھی ساتھ لے اڑی ہوں۔

”آپ اپنی فیملی کے ساتھ تھیں شاید! ایک بچہ اور ایک بزرگ خاتون ساتھ تھیں آپ کے۔“ زین نے ان آنکھوں کے سحر سے نکلنے بات مکمل کی۔۔۔ ابر نے اپنی یادداشت پر زور دیا۔۔ دو ہفتے پہلے!۔۔۔ ہاں دو ہفتے پہلے ہی تو وہ شہر بانو کے ماہانہ چیک اپ کے بعد کیفے پر رکی تھی۔۔ اس نے یاد آنے پر زین کی طرف دیکھا جو اسی کو دیکھ رہا تھا۔

”معاف کیجیے گا مسٹر ملک لیکن مجھے آپ سے پہلے ہوئی کوئی ملاقات یاد نہیں پڑتی۔“ ابر کے چہرے پر اب بھی شناسائی کی کوئی رمق نہیں تھی

”آپ سے براہ راست میری بھی یہ پہلی ملاقات ہے! آپ کے ساتھ جو بزرگ خاتون تھیں شاید آپ کی والدہ! ان سے مل چکا ہوں میں۔“ زین جو ابر کو آنکھیں چھوٹی کئے اپنی طرف گھورتا دیکھ رہا تھا اپنی بات کہتا اس کے برابر آرکا۔

”ہو سکتا ہے!“ ابر نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا اور آگے بڑھنے لگی۔۔ زین بھی اس کے ہم قدم ہو گیا۔

”برانہ مانیں تو پوچھ سکتا ہوں کہ اب آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“ زین نے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑتے اس سے پوچھا

”پولیس اسٹیشن!“ دو لفظی جواب

ابر اب فون پر کسی کا نمبر ڈائل کر رہی تھی کال ملا کر فون کان سے لگایا تو پہلی بیل پر ہی کال اٹھالی گئی جیسے مقابل فون ہاتھ میں پکڑے اس کی کال کے انتظار میں ہو۔ دو تین باتوں کے بعد کال کاٹ دی گئی۔ زین خاموشی سے ساری گفتگو سناتا رہا تھا وہ چلتے ہوئے پارکنگ ایریا میں آچکے تھے

”میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔“ زین نے اس کی بجائے اپنی گاڑی کی طرف دیکھتے کہا

"میں ویسے بھی اکیلے جانے کا ارادہ نہیں رکھتی، آپ کا ساتھ ہونا کیس کو آسان بناتا ہے۔" ابر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جس کی نظروں کا مرکز کچھ اور تھا۔

"میرا خیال ہے کہ پھر ہمیں چلنا چاہیے!" زین نے پر سوچ انداز میں کہتے قدم گاڑی کی طرف بڑھا دیئے۔

ابر بھی اب اپنی گاڑی کا رخ کر چکی تھی ان کا اگلا پڑاؤ پولیس سٹیشن تھا۔

"آئیں آئیں وکیل صاحبہ کھڑی کیوں ہیں آئیے تشریف رکھیے۔" پولیس کانسٹیبل نے ہاتھ کے اشارے سے ابر اور زین کو بیٹھنے کا کہا

"بیٹھئیے پلیز میں اے ایس پی صاحب کو بلا تا ہوں۔" وہ علجت میں ان کو وہاں بیٹھنے کو کہتا خود وہاں سے غائب ہو گیا۔

زین آگے پیچھے دیکھتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ ابر اپنے فون پر مصروف سے انداز میں سکرولنگ کر رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE
"اے ایس پی لیلیدین" سامنے میز پر پڑی نیم پلیٹ پر سنہری حروف میں اس کا نام جگمگا رہا تھا

انھیں وہاں بیٹھے کچھ لمحات ہی گزرے تھے کہ پولیس کانسٹیبل کے ساتھ آفس کے دروازے سے لیلید داخل ہوا۔ ہاتھوں پر لگے خون کو رومال سے پونچھتا ہوا وہ یقیناً کسی کی خاطر تواضع کر کے آ رہا تھا۔

"مجھے لگا تھا کہ شاید آپ کو آنے میں تھوڑا وقت لگ جائے گا تب تک میں اپنا کام ختم لوں گا! شوکت یہ کیا طریقہ ہے کوئی چائے کافی نہیں پوچھی تم نے میڈم سے؟" وہ کھسیانے سے انداز میں کہتا آخر میں کانسٹیبل پر برسسا۔ جو فوراً سے باہر کی طرف لپکا تھا

زین کو سرے سے نظر انداز کیا جا رہا ہے! زین کو تو یہی لگا

ہلیل اب اپنی کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔ پولیس کی وردی میں ملبوس بال سلیقے سے سیٹ کر رکھے تھے۔ شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ کئے ہونے سے ہاتھوں کی تنی ہوئی رگیں صاف نظر آرہی تھیں۔ وہ دنیا کے ان دو فیصد لوگوں میں سے تھا جن کی آنکھوں کی رنگت سبز مائل ہوتی ہے۔ دائیں آنبرو کے بیچ میں ایک کٹ نما خلا اور یونانی طرز کی باریک سیدھی ناک۔ "وجیہہ" یہ وہ پہلا حرف ہے جو ہلیل ایدن کو دیکھ کر سامنے والے کہ دل و دماغ میں ابھرتا تھا۔

وہ ایک پولیس والے کی پوسٹ کے لیے کچھ حد سے زیادہ ہی پرکشش تھا کم از کم زین کو تو یہی لگا اس جیسے بندے کو ماڈلنگ کی فیلڈ میں ہونا چاہیے پر خیر۔

"تم اپنا کام مکمل کر سکتے ہو مجھے آج کوئی جلدی نہیں ہے۔" ابر نے فون بند کر کے سائیڈ پر رکھتے کہا جس پر ہلیل سر جھٹک کر مسکرا دیا

"آپ کو انتظار کروانے کی گستاخی کیسے کر سکتا ہے یہ بندہ ناچیز!" غیر سنجیدہ۔۔۔ ابر نے پاس بیٹھے زین کی طرف متوجہ کروانا چاہا

"میرے خیال سے مجھے آپ دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا خیال ہے؟" اس نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے کہا

"ارے نہیں اس کی ضرورت نہیں میں مسٹر زین کو جانتا ہوں، ڈی آئی جی صاحب بتا چکے ہیں مجھے ان کے بارے میں۔" ہلیل نے نیچے جھکتے دارز میں سے ایک فائل نکالتے کہا۔

زین نے سر ہلانے پر اکتفا کیا

"ہمم تو پھر مجھے لگتا ہے کہ ہمیں وقت ضائع کئے بغیر مدعے پر آنا چاہیے۔" ابر نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہیر ٹائی نکالی اور بالوں کو اس میں قید کیا

اسی کی طرف متوجہ زین نے نظروں کا زاویہ بدلا

"میں آپ کو شروع سے سارے کیس پر بریف کرتا ہوں۔" ہلیل نے آگے کو ہوتے فائل کھول کر ابر کے سامنے رکھی

زین بھی اب فائل کی طرف متوجہ ہوا

2"2 مئی! یہ پہلی بار تھا جب بالاج جہانگیر کو اس کے کالج سے واپسی کے دوران کچھ نقاب پوش لوگوں نے اغواء کرنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے آس پاس موجود لوگوں نے اس کوشش کو ناکام بنایا۔ بالاج کے والد نے اس واقعے کے بعد نوریزاعوان کے خلاف ایف آئی آر کٹوائی تھی۔ جن سے ان کی ذاتی رنجش تھی۔ بالاج کے اغواء پر نوریزاعوان سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس کا کہنا تھا کہ اس کے جہانگیر سے ذاتی اختلافات ضرور ہیں پر وہ بالاج کے اغواء میں ملوث نہیں۔ جانچ پڑتال کے باوجود کوئی بھی ثبوت نوریز کے خلاف نہیں ملا۔" دروازے پر ہوئی دستک پر وہ رکا۔

کانسٹیبل ہاتھ میں چائے کی ٹرے لئے اندر آیا اور اسے ٹیبل پر رکھ کر جیسے آیا تھا ویسے ہی لوٹ گیا۔ کانسٹیبل کے جانے کے بعد ہلیل نے اپنی بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نوریز کے خلاف کوئی بھی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے پولیس کوئی کارروائی نہیں کر سکی۔ لیکن یہاں معاملہ سنگین ہوا 29 اگست کی دوپہر بالاج جہانگیر کو دوبارہ اغواء کیا گیا اور اس بار اغواء کاروں کی کوشش کامیاب ہو گئی۔ بالاج کے اغواء کے بعد پہلا شک نوریزاعوان پر ابھرا۔ اس کی رہائش گاہ پر ریڈ کی گئی پر وہ وہاں سے غائب تھا! اسکے گھر والوں کا کہنا تھا کہ وہ پچھلے ایک ہفتے سے بزنس میٹنگ کے سلسلے میں دوہئی گیا ہوا ہے۔" ابر اور زین بغور اس بات سن رہے تھے "لیکن یہاں آتا ہے پلاٹ ٹوسٹ! جب نوریزاعوان کے آفس جا کر اس کی سیکریٹری سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس کا کہنا تھا کہ پچھلے دو مہینے سے ملک سے باہر تو کیا یہاں بھی نوریزاعوان کسی بزنس میٹنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اس کی کمپنی

مسلسل ایک کے بعد ایک لاس کا شکار ہو رہی تھی پر وہ اکثر سار سارا دن گھر پر آفس کا کہہ کر وہاں سے غائب رہتا تھا۔ "ہلیل نے پیچھے ہوتے کر سی سے ٹیک لگائی۔

"تو اس کے مطابق نوریز کے گھر اور آفس دونوں جگہوں پر ہی کوئی بھی اس کی ان مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں نہیں جانتا؟" ابر نے ہلیل کی طرف دیکھتے کہا تو اس نے سر ہلایا۔

زین سارے معاملے میں چپ تھا کیونکہ قاتل کی کھوج لگانا اس کا کام نہیں تھا

"اور کیا اس کے سرکل میں کوئی دوست یا کولیگ بھی اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں نہیں جانتے؟" ابر نے فائل ہاتھ میں تھامتے کہا تو ہلیل نے نہ میں سر ہلایا۔

"مزید جو معلومات پولیس کے ہاتھ لگی وہ حیران کن تھی! اب دیکھو۔۔۔ نوریز کا بزنس مسلسل گھاٹے میں جا رہا ہے پر اس کے گھر پر اس بات کے کوئی اثرات نظر نہیں آئے بلکہ وہاں کے حالات دیکھ کر یہ کہنا بہتر ہے کہ نوریز اعوان اگر اپنی جیسی چار اور کمپنیوں کا مالک بھی ہوتا تو پھر بھی اس کے گھر والوں کی وہ شاہی طرز کی زندگی گزارنا قدرے مشکل لگتا ہے جو ہم وہاں دیکھ کر آئے ہیں۔" ہلیل کی بات پر ابر نے الجھ کر دیکھا۔ زین بھی ہونٹوں پر انگلی ٹکائے آگے کو ہوا

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یعنی تم کہہ رہے ہو کہ وہ اپنی کمپنی کہ علاوہ کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث ہے؟" ابر نے ذرا سوچتے ہوئے کہا

"بالکل! کیونکہ اس کے گھر والوں کے رہن سہن کسی بھی حلال کمانے والے کی اوقات سے بہت اوپر کی چیز ہیں اور جس حساب سے اس کی کمپنی آئے دن نئے قرضے میں ڈوب رہی ہے یہ تمام تفصیلات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ نوریز اعوان اپنی کمپنی کی آڑ میں بہت سارے غیر قانونی کاموں میں ملوث ہے" ہلیل نے مزید کچھ کاغذات نکال کر میز پر رکھے

”یہ تمام کاغذات نوریز کے اصل بزنس کی تصدیق ہیں۔“ ہلیل نے کاغذات کی طرف اشارہ کیا زین بھی ذرا قریب ہوتا ان پر لکھی تحریر پڑھنے لگا

”ڈرگزر؟“ ابر نے ابرو اٹھاتے پوچھا۔۔۔ چہرہ ابھی بھی کاغذات پر جھکا تھا

”ہممم ڈرگزر! نوریز اعوان کا لجز اور یونیورسٹیز میں بڑے پیمانے پر ڈرگزر سمگل کرنے والے ایک گروہ کا حصہ ہے۔ اس کے بہت قریبی دوست ظہیر کو پولیس نے دھر لیا تھا جس کا بیان ان کاغذات میں موجود ہے، ظہیر اس ڈرگزر کی ہیر پھیر میں نوریز کا وفادار ساتھی تھا خیر وہ الگ بات ہے کہ اس کی وفاداری پولیس کے دو ہاتھ لگنے پر بھک سے اڑ گئی۔“ ہلیل کے لہجے میں طنز تھا

”دو ہاتھ تو اب تم لوگوں نے بھی نہیں لگائے ہوں گے خود کو اتنا شریف ظاہر مت کرو۔“ ابر کی بات پر ہلیل کا جاندار قہقہہ گونجا

”اگر یہ مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش تھی تو وکیل صاحبہ آپ کو بری طرح ناکامی کا سامنا ہوا ہے۔“ ہلیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔ البتہ آنکھوں نے مسکراہٹ کا ساتھ نہ دیا

”میرا تمہیں شرمندہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں لیکن یقین رکھو جس دن ہو اس دن مجھے ناکامی کا سامنا نہیں ہو گا۔“ ابر نے دوبدو کہا اور کاغذات اکٹھے کر کے زین کی طرف بڑھائے۔

”اب تک ہار کا سامنا نہیں ہوا آپ کو تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ آگے بھی ہمیشہ آپ ہی جیتیں۔“ وہ پھر سے غیر سنجیدہ ہو چکا تھا ابر نے تاسف سے اس کا مسکراہٹ دبا تا چہرہ دیکھا۔

”بالاج کے اغواء کے بارے میں کیا تفصیلات ہیں؟ اغوا کار کی کوئی معلومات؟“ ابر نے ایک نظر غور سے کاغذات پڑھتے زین کو دیکھا اور پھر ہلیل سے پوچھا

”نہیں! بالاج کے اغواء والا معاملہ کافی پیچیدہ ہے۔ شاپنگ مال کی دوسری منزل پر سے بالاج کو خود نیچے جاتے دیکھا گیا تھا۔“ اب کہ ابر کے ساتھ ساتھ زین نے بھی چونک کر ہلیل کو دیکھا

”تمہارا مطلب ہے کہ بالاج کو اغواء نہیں کیا گیا؟ وہ اپنی مرضی سے غائب ہوا تھا؟“ ابر نے نا سمجھی سے دیکھتے سوال کیا

”سی سی ٹی وی فوٹیج میں مسٹر زین کے وہاں سے ہٹنے کے کچھ ہی لمحات کے بعد بالاج کو خود سے وہاں سے غائب ہوتے ہوئے واضح دیکھا گیا ہے۔“ ہلیل نے زین کے سر پر دھماکہ کیا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھ سے کہا گیا تھا کہ بالاج کو کسی آدمی کے ساتھ مال سے باہر نکلتے دیکھا گیا تھا؟“ زین نے آگے کو ہوتے جلد بازی میں پوچھا

”میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی! بالاج کے دوسری منزل سے گراؤنڈ فلور پر آنے کے دوران اسے ایک آدمی کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ وہ اس سے کہاں اور کیسے ملایہ فوٹیج میں کہیں نظر نہیں آیا یہاں تک کہ اس آدمی کے بالاج کے ساتھ زور زبردستی کرنے کے بھی کوئی مناظر نہیں دیکھے گئے۔“ ہلیل نے سنجیدگی سے کہتے بات مکمل کی

”تو یہ بات ہم تک کیوں نہیں پہنچائی گئی؟ آپ بالاج کے گھر والوں سے ایسی معلومات کیسے چھپا سکتے ہیں؟“ زین کرسی دھکیلتا کھڑا ہوا تو ابر کو معاملہ بگڑتا دکھائی دیا۔ ہلیل بھی اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا۔

”مسٹر ملک! آپ یوں جوش میں آکر معاملہ خراب کر رہے ہیں! یہ پولیس اسٹیشن ہے اور ہر جگہ کے کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ اپنی جگہ پر واپس بیٹھیں پلیز۔“ ابر نے سمجھانے کے انداز میں کہا

زین کچھ دیر یو نہی خونخوار نظروں سے ہلیل کو دیکھتا رہا اور پھر گہرا سانس بھرتا واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہلیل بھی اس کے بیٹھنے کے بعد اپنی پرانی جگہ پر آچکا تھا۔

”ملک جہانگیر کو ان ساری تفصیلات سے آگاہ کیا گیا تھا۔“ ہلیل نے ایک اور دھماکہ کیا

زین بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

”اگر جہانگیر کو یہ بات معلوم ہوتی تو وہ مجھے ضرور بتاتا یہ بہت گھٹیا مذاق ہے ہلیل صاحب۔“ زین نے چبھتے لہجے میں کہا ابراب ماحول میں بڑھتے تناؤ کو اچھے سے محسوس کر سکتی تھی۔

”یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن جب ملک جہانگیر کو اس سلسلے میں انفارم کیا گیا تھا تو وہ بضد تھے کہ اغواء کرنے والا ج کو ڈرایا دھمکایا ہو گا ورنہ بالاج وہاں سے اپنی مرضی سے نہیں جاسکتا۔“ ہلیل نے زین کے مقابلے دھیمے لہجے میں کہا

ایسا کیسے ہو سکتا ہے اگر جہانگیر کو یہ سب معلوم تھا تو اس نے زین کو کیوں نہیں بتایا آخر کیا وجہ تھی

”کیا سی سی ٹی وی سے اغواء کرنے والی کی شناخت کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟“ ابر نے گم سم سے بیٹھے زین کو دیکھتے ہلیل سے پوچھا

”نہیں! کیمرہ کافی فاصلے پر نصب تھا اور جس اینگل پر لگا تھا وہاں سے صرف دونوں کی پشت نظر آرہی تھی مزید یہ کہ اس آدمی نے سر پر کیپ پہن رکھی تھی جس کی وجہ سے اس کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔“ وہ تھوڑے سے وقفے کے بعد بولا

”کیا وہ نوریز تھا؟“ ابر نے جانچتے ہوئے لہجے میں پوچھا

”نہیں! اس کی ڈیل ڈول کسی صورت بھی نوریز جیسی نہیں تھی! شاید اسے اس کام کے لیے نوریز کی طرف سے ہائیر کیا گیا تھا۔“ ہلیل نے کہہ کر چائے کی ٹرے کی طرف دیکھا جس میں پڑی چائے اس سارے عرصے کے دوران بالکل ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

”ہم اوکے اور کیا مجھے وہ سی سی ٹی وی فوٹیج مل سکتی ہے؟“ ابر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں پاس پڑی ٹرے کی طرف دیکھتے کہا

زین اب کافی حد تک خود کو نارمل کر چکا تھا۔

"کیوں نہیں میں آپ کو کچھ دیر میں میل کر دوں گا۔" ہلیل نے سر ہلاتے بشارت سے جواب دیا۔

"ظہیر نے نوریز کے متعلق کوئی معلومات نہیں دی؟ وہ تو جانتا ہو گا کہ نوریز اس وقت کہاں ہے۔" سوال زین کی طرف سے کیا گیا تھا

"نہیں اس سارے عرصے میں اس کا نوریز سے کوئی رابطہ نہیں ہوا ہم پتہ لگا چکے ہیں وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" اس کے انداز میں مایوسی تھی

"ہلیل یہ فارتھ کی ٹیم کی لسٹ ہے جو اس کیس پر کام کر رہے ہیں! میں لیب میں جا کر ایک دفعہ خود سب دیکھنا چاہتی ہوں میرا خیال ہے تمہیں ساتھ چلنا چاہیے۔" ابر نے اپنے پاس موجود فائل سے ایک صفحہ نکال کر اسکے سامنے رکھتے ہوئے پیشکش کی۔ زین کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے پوچھا ہو کہ کیا ساتھ چلنے کا ارادہ ہے؟

"مجھے آفس کی طرف سے ایک وزٹ پر جانا ہے میں ساتھ نہیں چل سکوں گا۔" زین نے اس کی نظروں کا مطلب سمجھتے معذرت خواہ انداز میں کہا

"ٹھیک ہے پھر! ہلیل اگر تمہیں یہاں مزید کچھ کام نہیں ہے تو ہمیں ابھی نکلنا چاہیے!" ابر نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا جو بارہ بجے کا پیغام دے رہی تھی۔

"ہاں ضرور میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ" اس کے کہتے ہی زین اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"میرا خیال ہے کہ اب مجھے چلنا چاہیے! آپ دونوں کے کارڈز چاہیں ہوں گے مجھے کیونکہ اب تو اکثر ملاقات ہوتی رہے گی۔" زین نے کوٹ پر سے نادیدہ دھول جھاڑتے ہوئے کہا اور مزید کچھ دیر میں وہ ان سے مطلوبہ چیز موصول کرتا وہاں سے جا چکا تھا۔

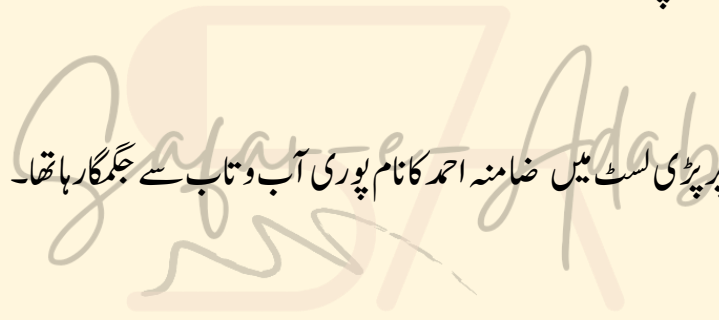
"ہی از سوہاٹ ہیڈ (یہ کافی گرم کھوپڑی کا مالک ہے)۔" ہلیل نے زین کے نکلتے ہی اس پر تبصرہ کیا تو ابر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”ہم یہ گاسپ سیشن پھر کبھی کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کیا خیال ہے؟“ وہ اپنی فائلز سمیٹتی مصروف سے انداز میں بولی
 ”جیسے آپ کو بہتر لگے۔“ وہ ابر کے انداز پر دل کھول کر مسکرایا

”آپ میرے ساتھ چلیں آپ کی گاڑی جاوید چھوڑ آئے گا!“ ہلیل نے جیپ کی چابی اٹھاتے کہا تو ابر نے خاموشی سے اپنی
 گاڑی کی چابی اس کو تھادی۔

”شوکت!!! شوکت! میں کچھ دیر میں واپس آ رہا ہوں تھانے کی ذمہ داری تم پر ہے۔ میرے آنے تک ہر چیز ہینڈل
 کرو۔“ اس کی آواز پر شوکت کسی جن کی طرح نمودار ہوا اور پر جوش سے انداز میں ’جی بہتر سر‘ کہا۔

ہلیل اپنے پاس موجود گاڑی کی چابی جاوید کو پکڑ کر کوئی ہدایات دے رہا تھا۔ پھر مزید دو منٹ میں وہ ابر کو ساتھ لئے
 فرانزک لیب کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔



اندر موجود آفس کی ٹیبل پر پڑی لسٹ میں ضامنہ احمد کا نام پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

PFSA LAHORE

(پنجاب فرانزک سائنس ایجنسی)

سامنے موجود فرانزک لیب کی عمارت پر یہ حروف روشن تھے۔ وہ لیب کے باہر کھڑی ہلیل کا انتظار کر رہی تھی جو جیپ
 پارک کرنے کے لیے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے دائیں جانب نظر پڑی تو اسے ہلیل اسی کی جانب آتا دکھائی دیا۔

”مجھے لگا آپ اندر جا چکی ہوں گی۔“ بالوں میں ہاتھ دوڑاتے شوخ سے لہجے میں کہتا ہوا وہ ابر کو کس قدر زہر لگا تھا
 ”دماغ خراب تھا میرا جو رک گئی۔“ غضب ناک نگاہوں سے ہلیل کو دیکھتے ہوئے اس نے قدم اندر کی جانب بڑھائے
 ”اب ایسی بھی بات نہیں! اچھی لگ رہی تھیں میرا انتظار کرتے ہوئے۔“ وہ ابر کے ہم قدم ہوا

”میں تمہارا انتظار نہیں کر رہی تھی۔“ ابر نے ناگواری سے کہا۔۔۔ وہ بات بات پر یونہی اسے زچ کر دیا کرتا تھا
 ”جی میں سمجھ گیا!“ ابر کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا گیا

وہ اس کے لہجے میں چھپی شرارت بخوبی محسوس کر چکی تھی تبھی کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔ اپنی نوک جھونک کے
 دوران وہ مطلوبہ جگہ پہنچ چکے تھے۔

Safar-e-Adab

فارنرک سائنس ٹیکنیکل ونگ

فارنرک سائنس کا یہ ونگ کرائم سین پر سے ثبوت اکٹھا کر کے ان کا تجزیہ کرنے اور کرائم انوسٹیگیشن کرنے کا ذمہ
 رکھتا ہے۔ کرائم سین پر واقع ہر چیز کی تصاویر اور اس سے منسلک سپروورک کرنا بھی اسی شعبے کا حصہ ہے۔ فارنرک
 ٹیکنیشن کے پروفیشنلز عام طور پر کرائم لیب، پولیس ڈیپارٹمنٹ اور میڈیکل ایگزمنرز کے لئے کام کیا کرتے ہیں۔
 یہاں پر کام کرنے والے لوگ (ERU) ایویڈنس ریسپونڈنگ یونٹ کا حصہ رہ چکے ہوتے ہیں جو کہ پنجاب فارنرک
 سائنس ایجنسی میں واقع سیٹلائٹ سٹیشن کا اہم حصہ ہے۔

ہلیل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور ابر کو راستہ دیا وہ اس کو آنکھیں دیکھاتی اندر داخل ہو گئی ہلیل بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ جسٹس جو اد فارنرک ڈپارٹمنٹ کے ڈی جی سے بات کر چکے تھے۔ اب انھیں جو معلومات چاہیے تھیں وہ براہ راست یہاں سے ہی مل سکتی تھیں۔

وہ ERU انچارج کے آفس میں موجود تھے۔

”ڈپٹی ڈائریکٹر صاحب مجھے آپ کی آمد کے بارے میں بتا چکے تھے۔ کیا لیں گے آپ لوگ؟ چائے کافی؟“ چالیس پینتالیس سالہ آدمی جو کہ وہاں کے انچارج تھے، خوشدلی سے ان دونوں سے مخاطب ہوئے۔

”نہیں سر اس تکلف کی ضرورت نہیں، ہمیں بس ٹیکنیشن ٹیم سے ملنا ہے جو بالاج قتل کیس کو کر رہی ہے۔“ ابر نے مدد پر آتے کہا۔

”جی جی کیوں نہیں میں آپ کی ملاقات کرواتا ہوں ان سے۔“ انہوں نے کہتے ہوئے پاس پڑے فون پر نمبر ڈائل کیا اور اگلے پانچ منٹ میں ٹیکنیشن ٹیم ان کے آفس میں موجود تھی۔

وہ کل چھ لوگوں پر مشتمل ٹیم تھی جس کی سربراہی لیڈ ٹیکنیشن ضامنہ احمد کر رہی تھی۔ ابر کو وہاں دیکھ کر وہ کچھ لمحے بے یقینی کی کیفیت میں رہی۔

”آپ کو یقین ہے کہ یہ ٹیکنیشن ٹیم کی ہیڈ ہیں؟“ ہلیل نے ضامنہ کو دیکھتے ہوئے ابر کے کان میں سرگوشی کی جس پر ابر نے اسے گھوری سے نوازا

”دیکھنے سے تو لگتا ہے کہ محترمہ کسی کانسرٹ کا رستہ بھول کر سائنس لیب میں گھس گئی ہوں۔“ وہ پھر سے ابر کے کان کے قریب جھکا

”ہلیل بی ہیو پلیز!“ اب کہ ابر نے وارن کیا تو وہ زبان دانتوں تلے دباتا پیچھے کو ہو گیا۔

کندھوں تک آتے مختصر بال، بیضوی چہرہ جس میں جبرے کی دونوں اعتراف کی ہڈیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔ باریک بھنویں اور روح کی گہرائی میں جھانکتی سیاہ آنکھیں۔ وہ ہائی ویسٹ جینز پر سیاہ شرٹ کے اوپر سیاہ ہی لیدر جیکٹ پہنے ناخنوں کو گہرے سرخ رنگ میں کوٹ کئے ہوئی تھی لیدر جیکٹ کے ہم رنگ سیاہ کامیٹ بوٹس پہنے اس کا حلیہ کسی فیشن آئیکن سے کم تو بالکل نہ تھا جو کہ اسکی موجودہ پوسٹ سے بالکل مختلف پیشہ ہے۔ ہلیل اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک تھا۔

”ضامنہ یہ ایڈووکیٹ ابرالمیر ہیں اور یہ اے ایس پی ہلیل ایدن! ڈی جی صاحب کے بنائے پینل میں آپ لوگ ان کے ساتھ ہی کام کریں گے۔“ ای آر یو انچارج نے تعارف کروایا تو ضامنہ نے ہونقوں کی طرح دیکھتے سر ہلایا۔

”میرا خیال ہے باقی کی معلومات آپ لوگ مل کر ڈسکس کر لیں۔“ ان کے کہنے پر ابر اور ہلیل نے سر ہلایا۔ ضامنہ ان کے آفس سے نکلتی میٹنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔ ابر بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئی، ہلیل نے ای آر انچارج سے مصافحہ کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور پھر باقیوں کے پیچھے ہو لیا۔

”کیا میں اسے سر پر انز سمجھوں“ ضامنہ نے پیچھے آتی ابر سے کہا

”میرا تو یہی خیال ہے۔“ اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا

اب اس نے ذرا اپنی رفتار آہستہ کی تاکہ پیچھے چلتی ابر کے ہم قدم ہو سکے

”یہ محترم کہاں پر ملے تمہیں!“ ضامنہ نے اپنے سے ذرا پیچھے آتے ہلیل کی طرف اشارہ کیا

”آج نہیں ملا! پہلے بھی دو کیسیز پر ساتھ کام کر چکا ہے میرے۔“ ابر نے ضامنہ کی چہکتی شکل کو دیکھتے بتایا

”ویسے یہ ہلیل ایدن کیسا نام ہے؟ اور تم تو بڑی چھپی رستم نکلی اتنے خوش شکل پولیس آفیسر کے ساتھ کام کر چکی ہو اور ایک میں ہوں جو یہاں سارا دن سفید بالوں والے بزرگوں کو دیکھتے ہوئی کڑھتی رہتی ہوں۔“ اس نے مایوسی اور کوفت کے ملے جلے تاثرات سجاتے کہا۔ انداز ایسے تھے جیسے صدمے کے مارے ابھی غش کھا کر گر پڑے گی

”ہلیل ترکی سے ہے اور اتنی اوور ایکٹنگ کی ضرورت نہیں جانتی ہوں میں تمہیں اچھے سے۔“ ابر تو اس کی اداکاری پر اش کر اٹھی۔

”ترکی سے؟ تبھی میں کہوں پاکستان میں ایسے پیس کب سے نظر آنے شروع ہو گئے۔“ اس نے حیرت سے بھرے لہجے میں کہا۔ آواز قدرے اونچی تھی

”میں آپ کو سن سکتا ہوں!“ ضامنہ کی چلتی زبان کو بریک لگی وہ اپنی باتوں میں اتنی مگن تھی کہ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کب ہلیل ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا

”امم میرا مطلب تھا تم پاکستانی نہیں لگتے“ وہ اس کی آواز اتنے قریب سے سن کر گڑبڑائی۔۔۔ بات کو گھمانا چاہا

”اب ایسی بھی بات نہیں! بس پیدائش ترکی کی ہے ورنہ ساری زندگی پاکستان میں ہی گزاری ہے میں نے۔“ ہلیل نے اسکے گڑبڑانے پر مسکراہٹ دبائی

”آہاں!“ ضامنہ نے کہہ کر سر جھکا لیا

”ویسے مطلب کیا ہے تمہارے نام کا؟“ کچھ سیکنڈز کی خاموشی کے بعد ایک بار پھر اس کی چہکتی آواز ابھری۔

ابر ان دونوں کو پیچھے چھوڑتی آگے بڑھ گئی تھی۔

”دوست!“ ہلیل نے نرم سے لہجے میں بتایا اسے یہ باتونی سی لڑکی اچھی لگی تھی

”او اؤ نام جیسا ہی پیارا مطلب ہے۔“ ضامنہ نے سمجھتے ہوئے خوش دلی سے تعریف کی۔ ہلیل نے سر کو خم دے کر داد وصول کی

وہ میٹنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔ ہلیل اور ضامنہ باری باری اندر آئے۔ سامنے ہی ابر کرسی پر بیٹھی نظر آئی اس کی توجہ کامرکز سامنے پڑا بند پرو جیکٹر تھا۔ ٹیکنیشن ٹیم کا ہی ایک لڑکا کچھ فائلز اور خاکی رنگ کا کارٹن وہاں ٹیبل پر رکھ کر جا چکا تھا۔

ابر نے اٹھ کر سامنے پڑی فائل اٹھائی۔ جس پر سیریل نمبر کے ساتھ بالاج کا نام درج تھا۔ فائل کھولتے ہی سامنے پہلی تصویر بالاج کے خون سے لتھڑے وجود کی تھی۔ چہرے کے بائیں طرف کا زخم اس قدر گہرا تھا کہ نیچے سے ہڈی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ ابر نے جھر جھری لی۔ ہلیل بھی اس کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ بالاج کی لاش دیکھ چکا تھا۔ ابر اب فائل بند کرتی واپس اپنی جگہ پر بیٹھی۔

”پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق بالاج کو مارنے کے لیے کسی بڑے تیز دھار اوزار کا استعمال کیا گیا تھا موت کی وجہ بہت زیادہ ٹارچر سے ہونے والا بلڈ لاس ہے۔“ ضامنہ نے میڈیکل رپورٹس کھول کر سامنے رکھیں۔

”میڈیکل ٹیم کا کہنا ہے کہ بالاج کو چار دن تک مسلسل ذہنی جسمانی مار چرے گزارا گیا تھا اور جس دن اس کی لاش برآمد ہوئی اس سے چند گھنٹے پہلے تک وہ زندہ تھا۔ کرائم سین سے ہمیں کسی قسم کا کوئی ہتھیار نہیں ملانہ ہی قاتل سے جڑا کوئی اور ثبوت۔“ ابر اور ہلیل غور سے اس کی بات سن رہے تھے۔۔۔ نجانے اس بچے نے موت سے پہلے کیا کچھ سہا تھا

”بالاج کی باڈی کے آس پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ بالاج سے بھی ہمیں کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی سوائے اس کے ہاتھ پر بندھی گھڑی اور جوتوں کے“ اس نے آگے بڑھ کر کارٹن میں سے پلاسٹک بیگ میں بند گھڑی اور جوتے نکال کر میز پر رکھے۔

”جائے وقوع سے کچھ فنگر پرنٹس موصول ہوئے ہیں جن کی رپورٹس آنا ابھی باقی ہے۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ مرڈر پری پلانڈ تھا قاتل اس قدر بیوقوف نہیں ہو سکتا کہ وہ غلطی سے اتنا بڑا ثبوت یوں ہی چھوڑ دے عین ممکن ہے کہ یہ ہمیں مس لیڈ کرنے کی چال ہو۔“ ابر اور ہلیل ضامنہ کی بات سے متفق تھے۔ چار دن بالاج کو مار چرے کرنے کے بعد بھی اگر انھیں کوئی ثبوت نہیں ملا تھا تو یہ فنگر پرنٹس محض انھیں اصل مدعے پر سے ہٹانے کا بہانا تھے۔

”کیا ہمیں کل تک فنگر پرنٹس کی معلومات مل سکتی ہیں؟“ ہلیل کے پرسوج انداز پر ضامنہ نے صدمے سے اسے دیکھا

”تمہیں لگتا ہے یہاں سی آئی ڈی کی شوٹنگ چل رہی ہے؟ یا یہاں ٹیکنیشن ڈپارٹمنٹ میں تمہیں کہیں ڈاکٹر سالونکے چلتے پھرتے نظر آگئے ہیں؟“ وہ شکن آلود پیشانی لئے بیزاری سے ہلیل کو دیکھ رہی تھی۔۔۔ آخر اس نے بات ہی ایسی کی تھی

”میں سمجھا نہیں!“ ہلیل نے نہ سمجھتے ہوئے ضامنہ کی پیشانی پر موجود ان گنت بلوں کو دیکھا۔۔۔ لگتا ہے غلط سوال پوچھ بیٹھا

”دیکھو ہلیل ایسی چیزیں وقت لیتی ہیں یوں ہتھیلی پر سرسوں جماؤ گے تو سامنے نظر آتا ثبوت بھی نہیں دیکھ پاؤ گے۔“
اس کی آنکھوں کی پتلیوں کی گہرائی بڑھی متوازن لہجے میں ناک کو اوپر چڑھائے دو ٹوک لہجے میں سمجھایا گیا

”اوکے فائن!“ ہاتھ سے ٹھوڑی کھجاتے ہلیل نے اطمینان سے کہا

”ضامنہ مجھے اس فائل کی کاپی چاہیے ہوگی۔“ ان دونوں کی باتوں کو یکسر نظر انداز کئے ابر نے ہاتھ سے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ ضامنہ نے اوکے کہہ کر سر ہلایا۔

نظریں بالاج سے منسلک اشیاء پر جمی تھیں۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ شام کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ اس جدید دور میں بھی گھڑی باندھے کی یہ عادت اسے اس کے والد سے ورثے میں ملی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے قریب ہی آپس میں گفتگو کرتے ہلیل اور ضامنہ کو میز اریٹ سے دیکھا۔ وہ گھر جانا چاہتی تھی۔ اسے ارد گرد کے ماحول سے کوفت ہونے لگی تھی۔

وہ وہاں سے اپنی چیزیں سمیٹتی اٹھی ضامنہ کو ایک بار پھر فائل کے بارے میں یاد دہانی کرواتے عجلت میں ان دونوں سے معذرت کر کے قدم باہر کی جانب بڑھا دیئے۔

ابر گھر پہنچی تو بوجھل ہوتی طبیعت کا اثر زائل کرنے کے لیے سو گئی۔ تقریباً دو گھنٹے کی نیند کے بعد وہ پہلے سے قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ضامنہ بالاج قتل کیس کی فارنزک رپورٹس والی فائل اسے بھیج چکی تھی۔ سٹڈی میں بیٹھی فائل کی ورق گردانی کرتی ابر کے ہاتھ ایک تصویر پر رکے۔

“Argus”?

اس نے الجھ کر بالاج کی گردن کی پچھلی جگہ پر کسی نوکدار چیز سے کندہ الفاظ کو دیکھا۔ کیا یہ کوئی نئی گتھی تھی یا ان کو گمراہ کرنے کی ایک اور چال؟ یہ کیس ہر لمحہ الجھتا جا رہا تھا وہ اپنے دماغ کو اندھیروں میں ڈوبتا محسوس کر رہی تھی۔ سب کسی بھیانک خواب میں تبدیل ہو رہا تھا۔

Safar-e-Adab

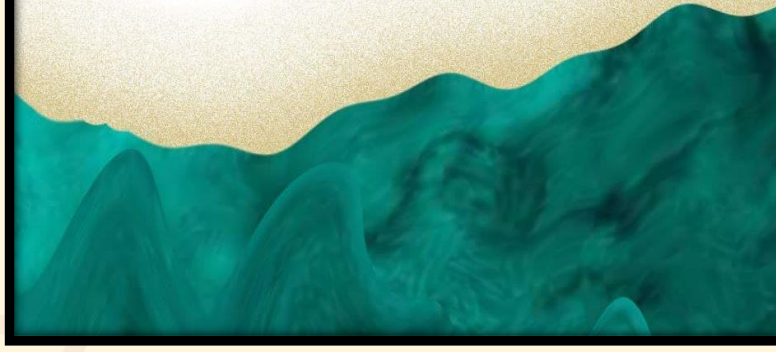
اور آگس اپنی کھوج لگانے والوں کا نام و نشان مٹانے کی طاقت رکھتا ہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

باقی آئندہ

پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہو نا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آدھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا دھور رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹتے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ایسین خانج



ابراہیم

تطمئن القلوب



دانش آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھائی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔ "جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔ "وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟ "میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجھ جائے گی نا۔ "ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔ اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔ "میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

وراثت

فاطمہ ملک

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے بٹنی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن اس سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول الہام کی دیکھی جھلک

"تم گھر والوں کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ ہمارا رشتہ
صحیح نہیں چل رہا۔"

"رشتہ ہے ہی کہاں؟" وہ دھیرے سے بولی۔
"اونچا بولو اور یہ کمرے میں نا آکر تم کیا ثابت کرنا چاہ
رہی ہو؟" وہ ادھر ادھر چکر کاٹتے
بولے۔

"یار پلیز آپ یہ بات ہی نا کریں۔ میں نے کتنی بار منایا
ہے۔ آپ مانیں؟ مجھے تو لگتا ہی نہیں کہ آپ وہی
جہانگیر ہیں۔" وہ یاسیت سے بولی۔ جہانگیر ایک پل کو
ٹھہرا۔

"تم جہانگیر کو کبھی جان ہی نہیں سکتی، بلکہ ہم دونوں
ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔" اُس کے دماغ میں
بس ایک ہی خناس سوار تھی۔ تو پھر آپ چاہتے کیا ہیں
مجھ سے؟ "کب تک آپ اس طرح بیہوش کریں گے؟
تھکتے نہیں آپ؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟" لگاتار سوال
کرتی ہوئی وہ بیچارگی سے بولی۔

"وہی کر رہا ہوں جو تم مجھے سمجھتی ہو۔"
"میں نے کچھ غلط نہیں کیا اور اگر مجھے پتہ چلا کہ آپ
مجھے چیٹ کرنے کا سوچ رہے تو میں بار بار شک کرونگی
اور میں آپ کی جان بھی لے سکتی ہوں۔ ویسے بھی

الہام
انابہ شیخ

مجھے لگا تھا کہ آپ ٹیپیکل مردوں سے الگ گے مگر
آپ بھی وہی ہیں۔ چھوٹی سی غلطی پکڑ کر سزا دینے
والے۔ "وہ ٹوٹی آواز میں بولی۔ یا پھر آپ کو اچھا لگتا ہے
مجھے ہرٹ کرنا؟
"ایسا نہیں ہے" جانم۔ "اُس نے دھیرے سے کہا۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں
کلک کریں۔

safareadab.com

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب